اقبالیاتی ادب

علمی مجلّات کے مقالات کا تعارف

نبیلہ شیخ

محمد ظہیر: اقبال کی غزل، ماہنامہ الحمرا، لاہور، شمارہ مئی ۲۰۰۵ء، ص ۲۴ تا ۲۷

مقالہ نگار کا خیال ہے کہ اقبال بنیادی طور پر ایک غزل گو شاعر ہے، اس لیے اس کی طویل نظموں میں بھی تغزل کارفرما ہے۔ 'مسجد قرطبہ'، 'ذوق وشوق' اور 'خضرِ راہ' اس کی نمایندہ مثالیں ہیں۔ اردو کے اساتذہ غالب ومومن نے اپنی مثنویوں اور اپنے قصائد کے درمیان غزلیں کہی ہیں۔ اقبال کی طویل نظموں میں بھی تغزل موجود ہے۔ اقبال کی غزل کی خصوصیت بقول ڈاکٹر یوسف حسین خاں اس کا جوشِ بیان اور رمزیت ہے جس کی مثال حافظ اور غالب کو چھوڑ کر دوسرے شعرا کے ہاں مشکل سے ملے گی۔ اس کے الفاظ میں بلا کی ایمانی قوت پوشیدہ ہے۔ وہ حسنِ ادا کے جادو سے انسانی ذہن کو مسحور کر دیتا ہے۔ اس کی تمام غزلوں میں غنائی عنصر موجود ہے۔ وہ ایسی بحریں اور زمین منتخب کرتا ہے جو تغزل کے لیے خاص طور پر موزوں ہوتی ہے۔ شگفتہ زمین اور مضمون کے مناسب وزن منتخب کرنے سے شاعر اپنے کلام میں بے پایاں دل فریبی اور دل کشی پیدا کرتا ہے۔

شاہد اقبال کامران: اقبال کے تصورِ ملت کی انفرادیت وجامعیت، ماہنامہ قومی زبان، کراچی، جون ۲۰۰۵ء، ص ۳۳ تا ۴۴

اقبال کے تصورِ ملت کے بارے میں مقالہ نگار لکھتے ہیں: ''اقبال کے استدلال کا خاص منہاج یہ ہے کہ وہ جُز سے کُل کی طرف جاتے ہیں، مثلاً 'خودی مطلق' کا ادراک حاصل کرنے کا آغاز 'انسانی خودی' سے کرتے ہیں اور اسی سے آگے بڑھتے ہیں۔ اس طرح اقبال ملت سازی کے اصول بیان کرنے سے پہلے یعنی اقبال کی اصطلاح میں یوں کہیے کہ 'رموزِ بے خودی' بیان کرنے سے پہلے وہ 'اسرارِ خودی' عیاں

کرتے ہیں۔ گویا پہلے ایسے افراد تیار کیے جائیں جو ایک اچھی جماعت کے فعال رکن بن سکیں۔ افراد سے جماعت کی تشکیل کی طرف اور اسی اصول کو اقبال مسلمانوں کے نظریۂ ملت کی توضیح میں اس طرح استعمال کرتے ہیں کہ پہلے مسلم قومیت کے اصول کی انفرادیت و جامعیت بیان ہو، اور پھر اس تصورِ قومیت پر مشتمل اقوام کے اجتماع یعنی ملتِ اسلامیہ کی انفرادیت و جامعیت کے نکات پر بحث کی جائے۔ یہ منہاج اقبال کے استدلال کا ایک عمومی انداز ہے۔''

اس منہاجِ استدلال کی روشنی میں مقالہ نگار نے مسلمانوں کے تصورِ ملت کی انفرادیت و جامعیت کے متعلق اقبال کے نقطۂ نظر کا خلاصہ اپنے مقالے کے آخر میں پیش کر دیا ہے جو آٹھ نکات پر مشتمل ہے۔

رفعت سروش: اقبال کی نظموں میں طنزیہ پہلو: شکوہ، جوابِ شکوہ، ماہنامہ کتاب نما، دہلی، شمارہ جون ۲۰۰۵ء، ۲۰ تا ۲۵

اس مقالے کا بنیادی موضوع یہ ہے کہ 'شکوہ' اور 'جوابِ شکوہ' میں جگہ جگہ جذبات کو ابھارنے اور اپنے قارئین کے دلوں کو چھونے کے لیے اقبال نے تیکھے اندازِ بیان کا سہارا لیا ہے اور ہر شکایت کا جواب بھی فراہم کر دیا ہے۔ اقبال نے 'شکوہ' میں مسلمانوں کی علوم وفنون سے بے توجہی، اسلاف کے کارناموں سے بے زاری، ضعیف الاعتقادی اور بُت پرستی سے قریب کر دینے والی قبر پرستی کا برملا اظہار کیا ہے، اور ایسے تیکھے اور طنزیہ انداز میں کہ ایک ایک لفظ خنجر بن کر دل میں اُتر جائے اور غیرت دلائے۔ 'شکوہ' میں تیکھا پن ہے، لیکن جب اقبال 'جوابِ شکوہ' رقم کرتے ہیں تو بال کی کھال نکال کر رکھ دیتے ہیں۔ وہ بنیادی مسائل کی طرف توجہ مبذول کراتے ہیں لیکن ناصحانہ انداز میں نہیں، نہایت شاعرانہ، شگفتہ اور طنز کی چاشنی لیے ہوئے الفاظ اور ڈرامائی انداز میں۔ مکالموں کی صورت میں جو تیکھے اور طنزیہ انداز کے شعر کہے ہیں وہ ان نظموں کو اور چمکاتے ہیں اور جو اشعار ضرب المثل بن گئے ہیں، وہ بیشتر وہی ہیں جن میں طنزیہ لہجہ ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر مہر نور محمد خان: علامہ اقبال کے فارسی متون پر تحقیق کے مسائل، سہ ماہی پیغام آشنا، اسلام آباد، اپریل، جون ۲۰۰۵ء، ص ۱۵۲ تا ۱۵۸

مقالے کا بنیادی موضوع یہ ہے کہ چونکہ علامہ اقبال کے بیشتر آثار فارسی میں ہیں، لہٰذا اقبالیات میں تحقیقی کام کرنے والوں کو جن مآخذ سے استفادہ کرنا پڑتا ہے، اُن میں سے بیشتر فارسی زبان میں ہیں۔ یہ ایسے مآخذ ہیں جن کی طرف رجوع کیے بغیر اقبالیات سے انصاف نہیں کیا جا سکتا اور ان مآخذ سے استفادے کے لیے فارسی زبان سے کما حقہ، واقفیت نہایت ضروری ہے۔ اسی طرح علامہ اقبال کے کلام میں عربی اور قرآنی آیات کا بہت استعمال ہوا ہے۔ اشعار میں سیکڑوں مقامات پر کسی نہ کسی آیت یا حدیث کا کوئی جزو موجود ہے۔ اقبالیات پر تحقیق کرنے والے اگر واقعی اقبال کے نقطۂ نظر کو بخوبی سمجھنا چاہتے ہیں تو

انھیں فارسی اور عربی پر دسترس حاصل ہونی چاہیے۔ نیز یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ قرآنی آیات اور احادیث کو معلوم کرنے کے لیے کن مآخذ سے رجوع کیا جائے اور اُن سے کس طرح استفادہ کیا جائے۔

آفتاب احمد: اقبال کے بارے میں فیض کی رائے: ایک غلط فہمی کا ازالہ، ماہنامہ شب خون، الٰہ آباد، مئی ۲۰۰۵ء، ص ۲۱ تا ۲۴

فاضل مقالہ نگار، اسلوب احمد انصاری کے مجموعے تنقیدی تبصرے میں اقبال ایک شاعر از سلیم احمد کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''اسلوب صاحب اپنے تبصرے میں کہتے ہیں، اقبال ایک شاعر میں سب سے اچھا مضمون 'موچی دروازے کی شاعری' ہے جس میں 'شکوہ'، 'جوابِ شکوہ' کا محاکمہ ایک نئے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ ٹکڑا 'موچی دروازے کی شاعری'، فیض احمد فیض نے اقبال کے بارے میں استعمال کیا ہے اور اس سے فیض نے اپنی بدتہذیبی اور دریدہ ذہنی اور تنگ نظری کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے۔''

فاضل مقالہ نگار لکھتے ہیں: ''اسلوب صاحب جیسے تبصرہ نگار سے اس قسم کے الفاظ کی توقع نہیں کی جا سکتی جس سے انھوں نے فیض جیسے بے ضرر شخص کو نوازا جس نے اپنے بدترین دشمنوں کے خلاف بھی کبھی زبان نہیں کھولی تھی۔ حیرت ہے، اسلوب صاحب نے سلیم احمد کے ایسے بیان پر تکیہ کرتے ہوئے جس کا انھوں نے کوئی حوالہ بھی نہیں دیا تھا، ایک دم برانگیختہ ہو کر فیض کے خلاف ایسے نازیبا انداز میں اپنے تعصب کا اظہار کر دیا۔''

فیض کی اقبال سے عقیدت کا اظہار ان کی اس بات سے ہوتا ہے کہ ''اقبال برصغیر کے مسلمانوں کی سماجی، مذہبی اور سیاسی فکر کے میدان میں اپنے ہم عصروں اور ان کے بعد آنے والی نسلوں کے لیے غیر تسلیم شدہ نہیں بلکہ ایک تسلیم شدہ قانون ساز کی حیثیت رکھتے ہیں۔'' فیض کے اس بیان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فیض اقبال کو قومی زندگی میں بہت بلند اور اعلیٰ مقام پر فائز سمجھتے تھے۔ اقبال کی ذہنی کاوش کی وضاحت کرتے ہوئے فیض لکھتے ہیں: ''اقبال نے مغرب کی فلسفیانہ اور سائنسی فکر کے بہت سے عناصر کو موافقانہ نقطۂ نظر سے دیکھا اور انھیں ذہنی طور پر قبول کیا۔ جہاں تک موچی دروازے کی شاعری کی بات ہے تو اقبال موچی دروازے کے ہر مُوڈ کے ترجمان تھے۔'' یہاں فیض نے یہ نام علامت کے طور پر استعمال کیا تھا۔ اقبال کا لاہور برعظیم کا ایک بڑا شہر تھا اور سیاسی، سماجی تحریکوں کا مرکز تھا۔ سلیم احمد اس سے پوری طرح آگاہ تھے کیوں کہ آگے چل کر وہ خود اعتراف کرتے ہیں: ''موچی دروازہ صرف لاہور کا ایک محلّہ نہیں، اس کے معنی ہیں برصغیر کے مسلمان عوام۔'' عین ممکن ہے اقبال پر جو کچھ فیض نے نثر میں خصوصاً انگریزی میں لکھا، وہ سلیم احمد کی نظر سے نہ گزرا ہو، مگر انھوں نے نقش فریادی میں فیض کا مرثیۂ اقبال تو یقیناً دیکھا ہوگا۔ اس نظم میں فیض نے اقبال کو جس طرح خراجِ تحسین پیش کیا ہے اس سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ اقبال کے بارے میں کس قسم کے جذبات رکھتے تھے۔

علامہ اقبال پر منتخب مقالات :انتخاب کنندہ: محمد موسیٰ بھٹو، ماہنامہ بیداری، حیدرآباد سندھ، جون ۲۰۰۵ء، ص ۵ تا ۲۲

علامہ اقبال، اُن کی شخصیت اور نظریات پر جو مضامین صدق اور صدقِ جدید میں شائع ہوئے تھے، اُن کا انتخاب محمد موسیٰ بھٹو نے کیا ہے۔ ان مضامین کے موضوعات اور مقالہ نگاروں کے نام درجِ ذیل ہے:

اقبال کی حالتِ عشقِ رسولؐ	مولانا عبدالماجد دریابادی
اقبال اور پردہ	" "
اقبال کی درویشانہ زندگی	" "
ماتمِ اقبال	مولانا سیّد سلیمان ندوی
شاعرِ اسلام	مولانا امین احسن اصلاحی
ماتمِ اقبال (منظوم)	مولانا مناظر احسن گیلانی
فکرِ اقبال	جوش ملیح آبادی
اقبال اور نیٹشے	
اقبال اور ملٹن	قارئینِ صدق کے مضامین
اقبال اور برگساں	اور ان پر مدیرِ صدق کا تبصرہ
اقبال اور رومی	

آفاق عالم صدیقی: فراق جس نے اقبال کو اپنا حریف جانا، سہ ماہی جہانِ اردو دربھنگا، اپریل، جون ۲۰۰۵ء، ص ۵۰ تا ۵۷

مقالہ نگار فراق کی شخصیت کے بارے میں لکھتے ہیں: ''فراق ایسی شخصیت کا نام ہے جو ابتدا سے لے کر آج تک موضوعِ بحث بنی ہوئی ہے۔ فراق ایک خودسر، ضدی اور بے حد خود پسند بلکہ خود پرست انسان تھے۔ انھوں نے اپنے ہم عصروں میں سے کبھی کسی شاعر کی دل سے تعریف نہیں کی۔ ان کے اندر گرہ لگ گئی تھی کہ یہ صدی فراق کی صدی ہوگی لیکن افسوس کہ اس صدی میں اقبال جیسا عظیم شاعر پیدا ہو گیا۔ فراق اقبال سے کافی متاثر رہے، اور ان کے نقشِ قدم پر چل کر اپنی تخلیقی صلاحیت بڑھانے کی بھی کوشش کی۔ فراق نے بھی اقبال کی آواز میں آواز ملا کر جبریل اور ایاز وغزنوی کی باتیں کیں لیکن اب وہ اچھی طرح جان چکے تھے ان کی یہ آواز اقبال کی بازگشت سے زیادہ اہمیت نہیں اختیار کر سکے گی۔ اس لیے وہ اقبال کے ساتھ ساتھ پوری اردو تہذیب پر خطِ تنسیخ کھینچ دینا چاہتے تھے تاکہ ان کی زبردستی کی ہندی الفاظ ٹھونسی شاعری کا جواز قائم ہو سکے۔ لیکن فراق کی ہندی آمیز شاعری کو تمام اربابِ فن اور ناقدین نے غیر موثر اور بے روح قرار دیا ہے۔ اس طرح فراق اپنی ہندی آمیز شاعری کے حوالے سے بھی منفرد و ممتاز مقام حاصل نہ کر سکے۔ مقالہ نگار فراق کی شاعری کے حوالے سے مزید لکھتے ہیں، ''فراق کی شاعری کا

ڈکشن، لہجہ اور کیفیاتی احساسات کا ادراک اردو کے تمام شاعروں سے منفرد اور ممتاز ہے۔ ان کے ہاں الفاظ کی دروبست کا اپنا نظام ہے۔ ان کی انفرادی پہچان یہ ہے کہ انھوں نے کیفیتوں کو اپنے اشعار میں روشن کر دیا۔ یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ فراق اپنے شخصیت کی کمزوریوں کے باوجود ایک اچھا اور معتبر شاعر ہے اور اس بات کو وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ فراق کی تخلیقیت خیزی کی ضیا نئے تخلیق کار کے راستے کو منور کرتی رہے گی۔''

کرنل (ر) غلام سرور: اُمتِ مسلمہ کا مستقبل، اقبال کی نظر میں، ماہنامہ فیض الاسلام، راولپنڈی، مئی ۲۰۰۵ء، ص۴۰ تا ۴۲

مقالہ نگار نے اس مضمون میں زیادہ تر مسلمانانِ عالم کی موجودہ حالتِ زار پر تبصرہ کیا ہے۔ اقبال اپنی شاعری میں ملتِ اسلامیہ کے زوال کے اسباب بیان کرتے ہیں اور مسلمانوں کے دل میں احساسِ زیاں کو زندہ کرنے کی بات کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے دل میں احساسِ زیاں کو زندہ رکھنا، اقبال کی شاعری اور ان کے پیغام کا ایک حصہ ہے۔ اقبال کا دور بڑا پُر آشوب تھا۔ استعمار نے ساری دنیا میں مسلمانوں کو غلام بنا رکھا تھا۔ امتِ مسلمہ کے لیے یہ بڑی آزمایشوں کا دور تھا۔ خلافتِ عثمانیہ دم توڑ چکی تھی۔ اقبال نے اس پُر آشوب دور میں بھی امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا۔

انھوں نے احساسِ زیاں بیدار کر کے مسلمانوں کو امید کی کرن دکھائی تھی۔ یاس وحزن کی بجائے امید کا درس دیا تھا۔ اقبال کہتے ہیں کہ ابلیس بتاتا ہے کہ آج ابلیسی نظام کو زبردست خطرے کا سامنا ہے اور اسے خدشہ ہے کہ لوگوں پر پیغمبر اسلام ﷺ کی شریعت کہیں عیاں نہ ہو جائے۔ جب عیاں ہو جائے گی تو اس اس کی کشش اتنی زبردست ہوگی کہ وہ ابلیسی نظام کے لیے خطرے کا موجب بن جائے گی۔

سہینہ اویس اعوان: اقبال کا مردِ مومن، ماہنامہ طلوعِ اسلام، لاہور، مئی ۲۰۰۵ء، ص ۴۱ تا ۴۵

فاضل مقالہ نگار کے خیال میں اقبال نے جس مردِ کامل کا تصور پیش کیا ہے، وہ قرآن مجید سے ماخوذ ہے، جو تخلیقِ کائنات کا مقصودِ حقیقی اور انسانِ کامل ہے۔

اقبال انسانِ کامل کے لیے مردِ خدا، مردِ قلندر، مردِ بزرگ، بندۂ آفاقی، نائبِ حق، جانباز مسلمان، مردِ مسلماں، درویش اور فقیر کی اصطلاحات استعمال کرتے ہیں۔ ان سب اصطلاحوں کا خلاصہ مردِ مومن ہے جو خودی سے سرفراز ہوتا ہے۔ اللہ کی ذات پر مکمل ایمان کی بدولت عزم واستقلال اور ناقابلِ شکست جرأت وہمت کا حامل ہوتا ہے اور حق کے لیے بڑی سے بڑی طاقت کے سامنے وہ ایک چٹان بن جاتا ہے۔ اقبال کا مردِ مومن ہمہ وقت خطرات میں گھرے رہنے ہی کو اصل زندگی سمجھتا ہے۔ اقبال کا مردِ مومن زندۂ جاوید ہے، اس لیے کہ وہ اپنے پاس زندۂ جاوید پیام (قرآن کریم) رکھتا ہے۔ اس کی زندگی ایک

زندۂ جاوید مقصد کے لیے گزرتی ہے۔

مٹ نہیں سکتا کبھی، مردِ مسلماں کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سرِ کلیم و خلیل

ڈاکٹر شیلا میکڈونو، علامہ اقبال اور نیٹشے، ریاض احمد، شش ماہی مخزن، لاہور، شمارہ ۸، ص ۵۰ تا ۵۷

حال ہی میں اقبال اکادمی پاکستان نے کینیڈا کی دانشور خاتون ڈاکٹر شیلا میکڈونو کی ایک کتاب شائع کی ہے جس کا عنوان ہے *The Flame of Senai* (شعلۂ طور)۔ اس کتاب کے تیسرے اور چھٹے باب میں مصنفہ نے نیٹشے اور اقبال کے افکار وتصورات کا دلچسپ مطالعہ پیش کیا ہے جو اقبال شناسی کے مثبت رویے کا مظہر ہے۔

مخزن میں جو مضمون شائع ہوا ہے، وہ دراصل متعلقہ مباحث کا اردو ترجمہ ہے جو ریاض احمد صاحب نے کیا ہے۔ انھوں نے مصنفہ کے مباحث پر تعلیقات بھی تحریر کیے ہیں۔ مصنفہ نے اپنے مضمون میں بتایا ہے کہ اقبال نیٹشے کے مقلد نہ تھے، بلکہ بہت سے امور میں اس کے نقاد بھی تھے۔ مقالے میں نیٹشے کے ان افکار کی نشان دہی کی گئی ہے جن سے اقبال کو اختلاف تھا۔

شمس الرحمٰن فاروقی: How to Read Iqbal (اقبال کا مطالعہ کس طرح کرنا چاہیے)، *The Annual of Urdu* Studies (U.S.A)، شمارہ ۲۰، ۲۰۰۵ء، ص ۱ تا ۳۳

یہ فکر انگیز مقالہ شمس الرحمٰن فاروقی صاحب نے اقبال اکادمی پاکستان کی دعوت پر اپریل ۲۰۰۴ء میں لاہور میں پیش کیا تھا۔ بعد ازاں یہ کتابچے کی صورت میں اقبال اکادمی کے زیرِ اہتمام شائع بھی ہوا۔ مصنف نے خود اس کا اردو اور فارسی میں بھی ترجمہ کیا۔ سوال بظاہر بڑا سادہ اور طلبہ کے مطلب کا نظر آتا ہے کہ اقبال کا کلام کیونکر پڑھنا چاہیے یا جیسا کہ خود فاروقی صاحب نے استہزائیہ لہجے میں کہا: ''اقبال کا کلام کیونکر پڑھا جا سکتا ہے''؟ لیکن بباطن یہ سوال بڑا گہرا تھا اور اقبال کی شاعری کو سمجھنے کے لیے شعور کی اس قدر گہرائی میں جانا پڑتا ہے کہ خود فاروقی صاحب کو اس سوال کا جواب معلوم کرنے کے لیے مغرب ومشرق کے جیّد اساتذہ، عظیم شاعروں اور ادب کے مشہور نقادوں کی تحریروں کو کھنگالنا پڑا، جن سے چند، جن کا انھوں نے اپنے مقالے میں بار بار حوالہ دیا، یہ حضرات ہیں:

شاعروں میں میرزا بیدل، غنی کاشمیری، امیر خسرو، میر انیس، عرفی شیرازی، کولرج، ٹی ایس ایلیٹ۔ نقادوں میں مولانا شبلی نعمانی، مجنوں گورکھ پوری، ڈاکٹر سید محمد عبداللہ، آلِ احمد سرور، اسلوب احمد انصاری، سلیم احمد، سید مظفر حسین برنی، شیخ عطاء اللہ، حامدی کاشمیری، آئی اے رچرڈز، ٹی ایس ایلیٹ، فرانسس بریچٹ، فرانسس سکارف، اے جی براؤن وغیرہ۔

اکبر علی شاہ: The Rod of Moses، (ضربِ کلیم کا منظوم، انگریزی ترجمہ)، پروفیسر ڈاکٹر عبدالغنی، سہ ماہی اقبال، لاہور، ص ۳ تا ۱۳

اس کا انگریزی میں پہلا مکمل منظوم ترجمہ 1983ء میں جناب اکبر علی شاہ (اے اے شاہ) نے پیش کیا تھا۔ اس سے پہلے شاہ صاحب 1979ء میں بالِ جبریل کی کچھ منظومات کا ترجمہ پیش کر چکے تھے۔ گویا ضربِ کلیم کا ترجمہ کرتے وقت انھیں خاصی مشق ہو چکی تھی اور فنِ ترجمہ کا خاصا تجربہ حاصل ہو چکا تھا۔ پروفیسر ڈاکٹر عبدالغنی نے انگریزی ترجمے کا تنقیدی محاکمہ کرتے ہوئے بہ حیثیت مجموعی ترجمے کی تعریف و تحسین کی ہے اور بعض اشعار کے تراجم کا نقص بھی، اپنے خیال کے مطابق، بیان کیا ہے۔ نیز ایسے الفاظ کی بھی نشان دہی کی ہے جن کا انگریزی ترجمہ اُن کی رائے میں شاہ صاحب نے درست نہیں کیا۔ مثال کے طور پر یہ الفاظ:

احوال	worldly affairs
غیور	jealous
نہنگ	shark
مہدی	guide
حرم	shrine
دریا	sea
لاموجود (الا اللہ)	God is great
مچھلی	kettle
چھاج	pot

قدوس جاوید: اقبال: قاری اور قراءت، سہ ماہی فکر و تحقیق، دہلی جولائی تا ستمبر ۲۰۰۵ء، ص ۵۱ تا ۶۶

اس مقالے کا مرکزی موضوع انھی کے الفاظ میں یہ ہے کہ شعرِ اقبال کی تفہیم کا عمل، قاری کی مخصوص افتادِ طبع اور قراءت کے منفرد آداب کا مطالبہ کرتا ہے۔ سبب یہ ہے کہ شعرِ اقبال اس غیر معمولی تاریخی، عمرانی، ثقافتی اور جمالیاتی شعور کا زائیدہ ہے جو اقبال کے یہاں اسلامی، ہندوستانی اور یورپی فکریات، حیات اور اقدار و روایاتِ فن کے بصیرت مندانہ تجزیہ و تحلیل کے نتیجے میں وجود میں آیا تھا۔ شعرِ اقبال کے شعری و لسانی نظام ہی نہیں فنی و فکری اجتہادات کی بھی ہمہ جہت تفہیم و تعبیر کے باب میں تنقید کے سابقہ رویے، اصول اور سانچے عام طور پر ناکافی ہی ثابت ہو رہے ہیں اور اقبالیات پر ہزاروں لاکھوں صفحات سیاہ کیے جانے کے باوجود اکثر یہ محسوس ہوتا ہے جیسے اقبال شناسی کے باب میں ''کہیں کچھ کم ہے''۔

وہ ''کچھ کم'' کیا ہے؟ اسی سوال کے جواب میں یہ مقالہ تصنیف ہوا ہے۔

ڈاکٹر محمد اسلم انصاری: اقبال، زُروان اور زُروانیت، سہ ماہی اقبال، لاہور، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۵ء، ص ۷ تا ۱۹

'زُروان' کا لفظ علامہ اقبال نے جاوید نامہ کے اس حصے میں کیا ہے جس کا عنوان ہے:

زُرواں کہ روحِ زمان و مکاں است
مسافر را بہ سیاحتِ عالمِ علوی مے بَرُد

مسافر سے مراد خود شاعر ہے جس کے لیے اس روحانی سیاحت کے ایک مرحلے پر 'زندہ رود' کا نام یا لقب استعمال کیا گیا ہے۔ 'زروان' کو علامہ اقبال نے روحِ زمان ومکاں قرار دیا ہے جو بہت حد تک زرتشتی عقائد سے مطابقت رکھتا ہے۔ مقالہ نگار کا خیال ہے کہ اقبال زروان کو صرف روحِ زمان قرار نہیں دیتے بلکہ اسے روحِ زمان ومکاں قرار دیتے ہیں جس کا بڑا سبب شاید یہ ہے کہ اقبال جدید سائنسی تصورات کے زیرِ اثر زمان اور مکان کو الگ تصور نہیں کرتے۔ ہوسکتا ہے کہ چونکہ زرتشتی روایات میں زمان کے مقابلے میں مکان (کائنات) کی تخلیق کا الگ سے تذکرہ نہیں ملتا، اس لیے اقبال کی دانش اس نتیجے پر پہنچی کہ روحِ زروان (The Supreme Being)، زمان کے ساتھ مکان کو بھی شامل ہونی چاہیے۔ فاضل مقالہ نگار نے زروان اور زروانیت کی تشریح زرتشتیت اور اس کے شارحین کی تحریروں کی روشنی میں متعدد لغات کے استفادے کے ساتھ کی ہے۔

ڈاکٹر عابد رپلی: مذاکرہ۔ اقبال اور عصرِ حاضر، سہ ماہی الاقربا، اسلام آباد، ص ۹۹ تا ۱۱۳

۲۱/ اپریل ۲۰۰۵ء کو وائس آف امریکا، واشنگٹن کی جانب سے 'اقبال اور عصرِ حاضر' کے موضوع پر ایک مذاکرہ ہوا جس کی یہ رپورٹ عابد رپلی نے تیار کی۔ مذاکرے میں محمد سہیل، عمر، اویس جعفری، ناصر شمسی، ڈاکٹر تقی عابدی، ڈاکٹر دل نواز صدیقی، فرزانہ حسن شاہد اور ڈاکٹر ٹیپو صدیق شریک ہوئے۔ آغاز محمد سہیل عمر نے کیا۔ انھوں نے عصرِ حاضر یا عہدِ جدید کی تعریف متعین کرتے ہوئے کہا: ''عہدِ جدید بالعموم احیائے علوم کے بعد کے زمانے سے لے کر بیسویں صدی کے نصف کو کہا جاتا ہے۔ یہ عہد اپنے ساتھ کچھ ایسے فکری سوالات لے کر آیا ہے جو جدیدیت نے پیدا کیے تھے اور جو عہدِ جدید سے فکری تصادم کے نتیجے میں آپ کے سامنے آئے تھے۔ ان کا سب سے اچھا نپا تلا جواب آپ کو بیسویں صدی میں اقبال کے ہاں ملتا ہے اور تین طریقوں سے ملتا ہے۔ ایک ان کے شعر سے جسے حکیمانہ شاعری کہتے ہیں۔ بڑی شاعری میں فکر کا ایک عنصر ہوتا ہے جو کسی بھی ایجنڈے سے ماورا ہوتا ہے۔ دوسرے طریقے کے تحت علامہ اپنی نثری اور فلسفیانہ کتابوں کے ذریعے اپنا فکری مسلک واضح کرتے ہیں اور تیسرا طریقہ انھوں نے ایک مصلح کے طور پر اختیار کیا ہے۔ ان تینوں صورتوں میں وہ تمام سوالات جو عصرِ حاضر نے مسلمانوں کے سامنے رکھے ہیں، ان کے جوابات ہمیں اقبال کے یہاں ملتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے لیے اقبال کی

معنویت قائم ودائم رہی ہے۔'' ریڈیائی مذاکرے میں شریک دوسرے حضرات نے محمد سہیل عمر کی گفتگو کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی: سر اقبال بنام حسین احمد: ڈاکٹر جاوید اقبال کی کتاب کی روشنی میں، ماہنامہ الفرقان، لکھنؤ، ص ۱۷ تا ۲۵

کلیاتِ اقبال (اردو) کی آخری نظموں میں ایک نظم کا عنوان 'حسین احمد' ہے جو علامہ کی وفات سے کوئی دو ماہ قبل، فروری 1938ء میں کہی گئی تھی:

یہ نظم مولانا حسین احمد مدنی کے اس نظریے کی تردید میں سپردِ قلم کی تھی کہ ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان وطنی رشتۂ اتحاد کی بنا پر سیاسی نوعیت کی متحدہ قومیت کا رشتہ نہ صرف قائم ہو سکتا ہے بلکہ ملک میں تحریکِ آزادی کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ یہ رشتہ قائم ہو۔

جب سے یہ اشعار شائع ہوئے ہیں اب تک علامہ اقبال کے نظریے کی تائید اور مخالفت میں بے شمار مضامین لکھے جا چکے ہیں۔ زیرِ نظر مقالہ مولانا عتیق الرحمٰن صاحب نے علامہ صاحب کے خلاف اور اپنے ممدوح مولانا حسین احمد مدنی کی حمایت میں لکھا ہے، زیادہ لطف کی اور قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ مقالہ نگار نے ثبوت اور شواہد ڈاکٹر جاوید اقبال کی تصنیف زندہ رود سے اخذ کیے ہیں۔